بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ، أَمَّا بَعْدُ:

63: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بھی اپنے ربّ کا وصف بیان کیا ہے صحیح احادیث میں اُس پر ایمان لانا واجب ہے

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ الحرانی رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔ اور پچھلے درس میں ہم بات کر رہے تھے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اہمیت، حیثیت، اور اسماء وصفات کے باب میں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں سے چند احادیث اور اہم ثبوت اس موضوع کے تعلق سے بیان کر رہے تھے، اور جہاں پر رُکے تھے وہیں سے درس کا آغاز کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ایک بہت ہی اہم قاعدہ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: "وَمَا وَصَفَ الرَّسُولُ بِهِ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مِن الأَحَادِيثِ الصِّحاحِ الَّتِي تَلَقَّاهَا أَهْلُ المَعْرِفَةِ بالقَبُولِ، وَجَبَ الإيمانُ بِهَا كَذَلِكَ" (اور جو بھی پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے ربّ کا وصف بیان کیا ہے صحیح احادیث میں جن احادیث کو اہل معرفت نے قبول کیا ہے اُن سب پر ایمان لانا واجب ہے)۔

اس جملے کا کیا معنی ہے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے بڑے پیارے انداز میں اس کی مختصر شرح بیان کی ہے، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ما جو ہے اس جملے میں: "وَمَا وَصَفَ الرَّسُولُ بِهِ رَبَّهُ": یہ "مَا" شرطیہ ہے، اور فعل الشرط ہے "وَصَفَ"، اور جواب الشرط ہے "وَجَبَ الإيمانُ بِهَا"۔

یعنی جو بھی وصف اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ کے تعلق سے صحیح احادیث میں (جو حدیث ثابت ہے) اِن تمام پر ایمان واجب ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: جو وصف کیا ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ربّ کا اس میں اللہ تعالیٰ کے نام بھی شامل ہیں اسی طریقے سے نام جو ہیں ان پر بھی یہی قاعدہ چلے گا کیونکہ کچھ ایسے نام ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں ہمیں ملتے ہیں قرآن مجید میں موجود نہیں ہیں۔

کوئی مثال جانتا ہے؟"مثل: الشّافي": الشّافی اللہ تعالیٰ کا نام ہے (شفاء دینے والا)۔ قرآن مجید میں ہے؟ قرآن مجید میں نہیں ہے۔

توہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ الشّافی اللہ تعالیٰ کا نام ہے؟ ہمارے پاس کیا ثبوت ہے؟ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ حدیث ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اور یہ بڑی دعا ہے، کوئی بھی بیمار جس کو کوئی بھی بیماری ہو یہ دعا پڑھے تو (ان شاء اللہ) اللہ کے فضل وکرم سے اسے شفاء ہو گی: "وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِيْ، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ ، شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا": یہ حدیث متفق علیہ حدیث ہے (صحیح بخاری، مسلم میں ہے)۔

"وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِيْ، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ ، شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا" اس میں شاہد کیا ہے؟ الشّافی: "أَنْتَ الشَّافِيْ"۔

تو الشّافی اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

دوسری مثال شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): "الرّبّ": الربّ کا نام جو ہے ہمیں حدیث میں ملتا ہے قرآن میں نہیں ہے۔

وہ کیسے نہیں ہے ربّ العالمین نہیں ہے کیا؟ قرآن مجید میں ہے نا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الفاتحۃ:1)۔ تو شیخ صاحب کیوں فرماتے ہیں کہ الربّ جو ہے یہ صرف ہمیں حدیث میں ملتا ہے قرآن میں نہیں ہے؟

قرآن مجید میں اضافت کے ساتھ موجود ہے، یعنی مضاف اور مضاف إلیہ: ﴿ رَبِّ ﴾ مضاف ہے، ﴿الْعٰلَمِيْنَ﴾ مضاف إلیہ ہے۔

الربّ جو ہے بغیر اضافہ کے قرآن مجید میں نہیں ہے حدیث میں ہمیں ملتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: "أَمَّا الرُّكُوعُ فَعَظِّمُوا فِيهِ الرَّبَّ" (رکوع میں ربّ کی تعظیم کرو)۔

یعنی کیا پڑھو رکوع میں؟ کیا پڑھتے ہیں ہم؟ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ"۔ اس کا ثبوت کیا ہے؟ کہاں سے ہمیں یہ دلیل ملی ہے؟ یہ حدیث ہے "کہ رکوع میں ربّ کی تعظیم کیا کرو: الرَّبَّ": صحیح مسلم کی حدیث ہے۔

تیسری مثال، یہ دوسری مثال ہے الربّ کی سواک کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیافرمایا؟"مَطهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرضَاةٌ لِلرَّبِّ": یہاں پر بھی الربّ ہے الف لام کے ساتھ بغیر اضافہ کے "الرّب"۔

(یہ حدیث بھی اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے صحیح حدیث ہے)۔

اور سواک کے تعلق سے کہ لکڑی کا چھوٹا سا ٹکڑا ہے آپ اُسے استعمال کرتے ہیں اپنے دانتوں کی صفائی کے لیے ربّ راضی ہو جاتا ہے؛ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا کتنا آسان ہے۔ مشقت ہے؟! چھوٹا سا لکڑی کا ٹکڑا ہے جیب میں رکھیں وضو کرتے وقت، نماز پڑھتے وقت (یا کسی وقت)، نیند سے جاگتے وقت آپ نے مسواک کر دیا (سواک کرتے ہیں) اپنے دانتوں کی صفائی کرتے ہیں ربّ راضی ہو جاتا ہے۔

ربّ راضی کیوں ہوتا ہے پتہ ہے؟ صفائی ہے، سنت رسول ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، سنت ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت محبوب ہے اور پسند ہے۔

(تو گزارش ہے بھائیوں سے کہ اس خیر سے اپنے آپ کو محروم نہ کیجیے گا)۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): مصنف کی بات سے یوں لگتا ہے ظاہر میں کہ ان احادیث کو قبول کرنے کی دو شرطیں ہیں: (۱) پہلی شرط یہ ہے کہ صحیح ہونی چاہیئں۔ (۲) اور دوسری شرط یہ ہے کہ جو اہل معرفت ہیں یعنی علم الحدیث کے وہ ان احادیث کو قبول کرلیں؛ (کیا یہی مراد ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی؟ یہ مراد نہیں ہے) شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ جو صحیح احادیث ہیں اہل معرفت نے انہیں قبول کیا ہے، یہ نہیں ہے کہ صحیح حدیث جب تک وہ قبول نہیں کریں گے تو ہم مانیں گے نہیں، تو یہ صفت جو ہے یہ "صفة كاشفة لا صفة مقيدة"۔

"صفة كاشفة لا صفة مقيدة" کیا مطلب ہے اس کا؟ حدیث رسول علیہ الصلاۃ والسلام جب صحیح ثابت ہو جائے تو قبول کرنا فرض ہے کیونکہ وحی ہے اور صحیح ثابت ہوگئی ہے تو قبول کرنا، ماننا، ایمان رکھنا، اور جو اُس سے حکم جڑا ہوا ہے اس پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

شیخ الاسلام کا یہ کہنا "وہ صحیح احادیث جنہیں اہل معرفت نے قبول کیا ہے" سے کیا مراد ہے؟ کیا صحیح حدیث کو جب تک اہل معرفت قبول نہیں کریں گے ہم نہیں مانیں گے؟ یا صحیح حدیث کو اہل معرفت نے قبول کیا ہے اس لیے ہم نے مانا ہے؟

کیا خیال ہے صحیح حدیث جب ثابت ہو جائے تو اہل معرفت قبول کریں گے کہ نہیں کریں گے ورنہ معرفت کس چیز کی ہے اُن کی؟! تو پھر یہ قید کیوں لگائی ہے؟

یہ قید نہیں ہے، اسے کہتے ہیں "صفة كاشفة": کہ ہم نے اس صحیح حدیث کو قبول کیا ہے کیونکہ اس کے پیچھے ایک بڑا علم قائم ہے اہل معرفت کا علم جو ہے جس میں جرح والتعدیل کا علم ہے، جس میں اسماء الرجال کا علم ہے، بہت سارے اس سے علوم جڑے ہوئے ہیں، علم الدرایۃ ہے علم الروایۃ ہے، بہت سارے۔

تو اہل معرفت نے جب اصول کی بنیاد پر ان احادیث کو قبول کیا ہے تو ان پر ایمان رکھنا واجب ہے (ایمان لانا واجب ہے)؛ تو یہ معنی نہیں ہے کہ جب تک صحیح حدیث کو اہل معرفت قبول نہیں کریں گے ہم نہیں مانیں گے؛ یہ شرط نہیں ہے، شرط صرف ایک ہی ہے کہ حدیث کو صحیح ثابت ہونا چاہیے، حدیث صحیح ثابت ہو گئی ہے اُس پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے اُس پر ایمان واجب ہو جاتا ہے۔(واضح ہے دونوں میں فرق؟)۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: "الَّتِي تَلَقَّاها": سے مراد یہ ہے کہ صحیح حدیث کا حال بیان کرنا ہے کہ اہل معرفت نے انہیں قبول کیا ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ حدیث صحیح ہو اور اہل معرفت جو ہیں اس کو قبول نہ کریں، بلکہ وہ لازمی اسے قبول کرتے ہیں۔ہاں یہ بات درست ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کہ کچھ ایسی احادیث ہیں جن کے ظاہر میں صحت نظر آتی ہے لیکن اس میں کوئی علت موجود ہو سکتی ہے جیسا کہ راوی پر کسی جملے کا قلب ہو جانا، اور اس طریقے سے اور بھی علت کوئی مخفی ہو سکتی ہے یعنی لیکن ایسی احادیث جو ہیں وہ صحیح نہیں ہوتیں۔

کوئی اور مثال دے سکتا ہے کہ ظاہراً تو صحیح ہے لیکن جب اُس پر غور و فکر کیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ حدیث ضعیف ہے؟ ایک تو شیخ صاحب نے بیان کی ہے مثال کہ راوی پر ایک جملہ اُلٹا ہو گیا ہے اُس نے جیسا سنا ویسا بیان کر دیا ہے کوئی اور مثال کہ حدیث ظاہراً تو صحیح ہے لیکن جب اُس کی تحقیق کی جاتی ہے تو ضعیف ثابت ہوتی ہے اور حقیقت میں وہ ضعیف ہی ہوتی ہے ظاہراً صحیح نظر آ رہی ہوتی ہے؟الحدیث الشاذ۔

شاذ حدیث میں کیا ہے؟ سند صحیح ہے آپ کے سامنے ہے آپ دیکھتے ہیں حدیث کو لیکن کسی اور حدیث کی وجہ سے اسی موضوع کے تعلق سے کوئی اور حدیث ہے جو اس سے ٹکرا جاتی ہے پھر جب ہم اس کو دیکھتے ہیں آپس میں آمنے سامنے رکھ کر تحقیق کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث جو ہے ضعیف ہے صحیح نہیں ہے۔

شیخ الاسلام کا یہ کہنا "وَجَبَ الإِيمَانُ بِهَا": شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور اس کی دلیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے سورۃ النساء آیت نمبر 136 میں: ﴿يَاۤأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ إلي آخر الآية (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاؤ)۔

دوسری آیت سورۃ النساء آیت نمبر 59 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَاۤأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾۔

اور تیسری آیت میں سورۃ القصص آیت نمبر 65 اور 66 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴿٦٦﴾﴾۔

شاہد کیا ہے؟ ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾۔

اور قیامت کے دن سوال ہوگا یہ ﴿مَاذَاۤ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (تم لوگوں نے رسولوں کو کیا جواب دیا ہے؟)۔

جب رسول کی بات مانی ہی نہیں ہے تو کیا جواب دیں گے؟! جب پتہ ہی نہیں ہے کہ رسول نے کیا کہا ہے تو کیا جواب دیں گے؟! جب پتہ چل جائے کہ یہ فرمان جو ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کا ہے اور صحیح ثابت ہو گیا ہے تو اُس پر ایمان واجب ہے۔

پھر شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ خوب جان لو کہ اہل اہواء، اہل بدعت کا موقف جو ہے اُن احادیث کا جو اُن کی خواہش نفس کے مخالف ہیں وہ دو چیزوں پر قائم ہے: (۱) یا تو اسے جھٹلا دیتے ہیں۔ (۲) یا اس کی تحریف کر دیتے ہیں۔ (دونوں میں سے ایک کام ضرور کرتے ہیں)۔

جس کی تکذیب کرتے ہیں اس کو جھٹلا سکتے ہیں جھٹلا دیتے ہیں جیسا کہ معروف قاعدہ ہے "کہ خبر آحاد جو ہے وہ عقیدے میں قبول نہیں کیا جاتا"؛ (بڑا خوفناک اور خطرناک قاعدہ ہے یہ کہ جب تک حدیث متواتر نہ ہو عقیدے کے معاملات میں حدیث قبول نہیں کی جائے گی!)۔

خبر آحاد یعنی حدیث آحاد عقیدے میں ہم نہیں مانیں گے یہ قاعدہ کہاں سے آیا ہے؟! قرآن مجید میں ہے کسی حدیث میں ہے؟! کسی صحابی کے قول میں یا سلف کے علماء کے کسی قول میں ہے؟!

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ جب تک حدیث متواتر نہ ہو تو اسے قبول نہ کرنا یا انہوں نے ایک شرط رکھی ہے "**إذا صح الحديث فهو مذهبي**"؟ پہلا قول ہے یا دوسرا قول ہے؟ دوسرا۔ یہ پہلا قول کہاں سے آیا ہے کہ جب تک حدیث متواتر نہ ہو تو عقیدے میں قبول نہیں کریں گے کیا امام صاحب کو اس کا پتہ نہیں تھا؟ پتہ تھا کہ نہیں تھا؟ تھا پتہ۔ تو کیوں نہیں یہ قاعدہ بیان کیا؟ کیونکہ غلط ہے۔

صحیح قاعدہ کیا ہے؟ حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہ کافی ہے عقیدے میں بھی، عبادات میں بھی، معاملات میں بھی، آداب میں بھی اور تمام شرعی اُمور میں؛ حدیث کا صحیح ہونا کافی ہے، اگر حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہ کافی ہے۔

اور اس قاعدے کا ردّ کیا ہے امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اور اس کو باطل ثابت کیا ہے بہت سارے دلائل کی روشنی میں، جیسا کہ اُن کی معروف تصنیف ہے مختصر الصواعق المرسلة کے آخر میں۔

معروف تصنیف ہے مختصر الصواعق المرسلة جو ہے ابن القیم رحمہ اللہ کی اُس میں اہل باطل کے بہت سارے ردود کیے ہیں اُن میں سے اس قاعدے کا ردّ اس کتاب کے آخری حصے میں کیا ہے اور کئی دلائل کی روشنی میں اس قاعدے کو باطل ثابت کیا ہے۔

اور دوسرا طریقہ اہل بدعت اور اہل اہواء کا احادیث کے تعلق سے یہ ہے کہ جس حدیث کو جھٹلا نہ سکے اپنے ایسے قواعد اپنی طرف سے بنا کر من گھڑت تو اُس کی تحریف کر دیتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی آیات اور نصوص کی تحریف کرتے ہیں (نعوذ باللہ)۔

اہل سنت والجماعت کا جو طریقہ رہا ہے؛ انہوں نے ہر اُس حدیث کو قبول کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح ثابت ہوئی ہے چاہے اُمور علمیہ ہوں یا عملیہ ہوں۔

اُمور علمیہ سے کیا مراد ہے؟ اور عملیہ سے کیا مراد ہے؟ شریعت کے دو قسم کے اُمور ہوتے ہیں: (۱) یا تو علمی ہوتے ہیں۔ (۲) یا عملی ہوتے ہیں۔

علمی جیسا کہ عقائد کے مسائل (عقیدے کے مسائل) جو ہیں؛ کلمۂ توحید کا معنی ہے، کلمۂ توحید کے ارکان ہیں، شروط ہیں ، اور جو عقیدے کے دیگر اصول ہیں، یہ سارے کے سارے علمی معاملات ہیں، یا علمی اُمور ہیں۔

اور دوسرے جو عملی ہیں جیسا کہ ارکان اسلام کے باقی ارکان ہیں؛ کلمۂ شہادت پہلا رکن ہے ارکان اسلام میں سے اس کا تعلق کس سے ہے علم سے یا عمل سے ہے؟ علم سے ہے؛ یہ علمی مسائل ہیں عمل تو کرنا پڑتا ہے لازمی ہے لیکن اس کا علم ہے اور پھر اس کا عمل ہے۔

اگرچہ علم اور عمل دونوں میں ہے لیکن جو عقیدے کے مسائل ہیں اُمور ہیں اُن کا تعلق دل سے ہوتا ہے (عقیدہ دل میں ہوتا ہے) آپ کی زبان پر اُس کا اثر ہوتا ہے آپ اُس پر عمل زبان سے کرتے ہیں، آپ اُس پر عمل اپنے جسم کے اعضاء سے کرتے ہیں، آپ جب کسی قبر کا طواف نہیں کرتے تو آپ اس عقیدے کی بنیاد پر نہیں کرتے ایک عمل سے آپ رُک جاتے ہیں جو آپ کے دل میں عقیدہ ہے کہ یہ شرک ہے میں نے نہیں کرنا ہے۔ ایسا ہوتا ہے نا؟ تو جو عقیدہ کے مسائل ہوتے ہیں انہیں کہتے ہیں علمی مسائل۔

اور جو عملی مسائل ہیں جو باقی چار ارکان اسلام ہیں اور دیگر اُمور جو ہیں؛ طہارت کے مسائل، نماز کے مسائل، زکوٰۃ کے مسائل، روزے کے مسائل، حج و عمرہ کے مسائل، نکاح کے مسائل، خرید و فروخت کے مسائل، وراثت کے مسائل یہ سارے کیا ہیں؟ یہ سب عملی اُمور ہیں ان تمام اُمور میں سنت اگر صحیح ثابت ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو قبول کرنا واجب ہے۔

قبول کیوں کرنا ہے؟ کیونکہ "لقيام الدليل على وجوب قبول ذلك"؛ جب دلیل قائم ہو گئی ہے تو پھر کیا عذر باقی رہ جاتا ہے قبول نہ کرنے کا؟!

"كَذَلِكَ" سے مراد شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): یعنی جیسا کہ قرآن مجید پر ہمارا ایمان ہے (یعنی اسماء وصفات کے باب میں ہمارا ایمان ہے) ہر اُس نام اور ہر اُس صفت پر جو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے "من غير تحريف، ولا تعطيل، ولا تكييف، ولا تمثيل" (بغیر تحریف کے، بغیر انکار کے، بغیر کیفیت بیان کرنے کے، اور بغیر مثلیت بیان کرنے کے)۔

اسی طریقے سے احادیث کا بھی یہی طریقہ ہے کہ ہمارا ایمان ہے ہر اُس صحیح حدیث پر جس میں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں میں سے کسی نام کا ذکر کیا ہے، یا صفات الکمال میں سے کسی صفت کا ذکر کیا ہے، اِن تمام ناموں پر اور اِن تمام صفات پر ہمارا ایمان ہے ان چار شرطوں کے ساتھ: (۱) بغیر تحریف

کے۔(۲) بغیر تعطیل یعنی بغیر انکار کرنے کے۔(۳) بغیر تکییف یعنی بغیر کیفیت بیان کرنے کے۔(۴) اور بغیر تمثیل کے یعنی بغیر مثلیت بیان کرنے کے۔(واضح ہے؟)۔

پھر شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث صفات کی چند مثالیں، یعنی یہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جو ہمیں قرآن مجید میں نہیں ملتیں لیکن صحیح احادیث میں اِن کے ثبوت موجود ہیں اور ان پر ایمان بھی (جیسے ابھی قاعدہ بیان کیا ہے) واجب ہے۔

اور یہ حسن تصنیف میں سے ہے کہ آپ ایک مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں اُس سے پہلے آپ نے قاعدہ بیان کر دیا ہے؛ قاعدہ پہلے کیوں بیان کیا ہے؟ کیونکہ کئی لوگوں نے کئی ایسے گروہ ہیں جنھوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں اور غلط طریقہ اور غلط راستہ اختیار کیا ہے تو اس غلط راستے سے بچنے کے لیے پہلے قاعدہ بیان کیا ہے؛ قاعدہ یہ ہے: "کہ حدیث جب صحیح ثابت ہو جائے تو اس پر ایمان واجب ہے، اُس میں جو بھی حکم ہے اُس میں جو بھی اُمر ہے چاہے اُس کا تعلق عقیدے سے ہے، چاہے عبادات سے ہے، چاہے معاملات سے ہے، چاہے دین کے کسی حصے سے بھی ہے تو اُس پر ایمان واجب ہے"۔

جب یہ قاعدہ مقرر ہو گیا، یہ بھی پتہ چل گیا کہ اہل بدعت کا جو طریقہ تھا وہ اس سے بالکل ہٹ کر تھا غلط تھا اور اُن کو کئی ٹھوکریں لگی ہیں یعنی تب بھی عقل نہیں آئی تو ہمیں اس راستے سے بچنے کے لیے یہ راستہ اختیار کرنا چاہیے جو حق راستہ ہے۔اب یہ قاعدہ سمجھ آگیا ہے اب اس قاعدے کی بنیاد پر اب چند احادیث ہیں چند ثبوت ہیں جن میں ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کچھ ایسی صفات ہیں جو قرآن مجید میں نہیں ہیں لیکن صحیح احادیث میں ثابت ہیں۔

1-پہلی مثال یا پہلی حدیث جو ہے: "في إثبات نزول الله إلى السماء الدنيا" (اللہ تعالیٰ کا دنیاوی آسمان پر نازل ہونے کا بیان)۔

تو پہلی حدیث جو ہے اس میں ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ السماء الدنیا پر (دنیاوی آسمان پر) نازل ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہے (معنی یہ ہے)، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: "يَنْزِلُ رَبُّنا إلى السَماءِ الدُّنْيا كُلَّ لَيْلَةٍ، حينَ يَبْقى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرِ، فَيقولُ: مَنْ يَدْعوني فَأستجيبَ لَهُ، مَنْ يَسْأَلُني فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُني فَأَغْفِرَ لَهُ": متفق عليه: متفق علیہ حدیث ہے۔

حدیث صحیح ہے کہ نہیں؟ صحیح حدیث ہے۔ کیوں صحیح ہے؟ متفق علیہ ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم دونوں کا اتفاق ہے یعنی یہ حدیث امام بخاری نے بھی روایت کی ہے اور اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے (متفق علیہ حدیث ہے)۔

اور صحت کے اعتبار سے اہل معرفت کیا کہتے ہیں کہ سب سے بلند درجہ صحت کا کون سا ہے؟ متفق علیہ ہے۔

بڑی پیاری حدیث ہے اس سے پہلے کہ میں شیخ ابن عثیمین کی عبارت بیان کروں جو انہوں نے شرح کی ہے مختصر سی اللہ تعالیٰ کا کرم دیکھیں آپ کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری پہر میں ہر رات میں نازل ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے۔ یعنی مخلوق کے نزول جیسا نہیں، اللہ تعالیٰ کی اپنی شان ہے اور مخلوق کی اپنی حیثیت ہے اور ناممکن ہے کہ دونوں میں دور سے بھی کسی طرح کی مشابہت ہو جائے، ناممکن ہے! جیسا کہ ذات کے وجود میں مشابہت نہیں ہو سکتی اسی طریقے سے اسماء وصفات میں بھی مشابہت کبھی ہو نہیں سکتی! یہ قاعدہ مخالفین بھی جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ موجود ہے کہ نہیں؟ مخلوق موجود ہے کہ نہیں؟ مشابہت ہے؟ اگر مشابہت لازم آتی تو وجود میں لازم آتی نا، جب اِس میں نہیں ہے تو پھر اُس میں بھی نہیں ہے۔

لیکن یہ عقلی قاعدہ اِن کو سمجھ نہیں آیا کیونکہ عقل ماننا نہیں چاہتی! عقل کیا ماننا چاہتی ہے؟ جو اُسے پسند ہے، جو دل کو پسند ہے (نعوذ باللہ)۔

الغرض، تو اللہ تعالیٰ رات کے آخری پہر میں نازل ہوتے ہیں آخری پہر سے کیا مراد ہے؟ جب سورج غروب ہوتا ہے اُس وقت کو لے کر اور جب سورج نکلتا ہے یا فجر کا آپ وقت دیکھ لیں، یا جب سورج طلوع ہوتا ہے اس کو دیکھ لیں، جب اس کو آپ 2 پر تقسیم کرتے ہیں تو آدھی رات کا پتہ چلتا ہے، جب 3 پر تقسیم کرتے ہیں پہلے دو الگ کر کے آخری 1/3 الگ کر لیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے رات کا آخری تہائی حصہ؛ جب رات کا آخری تہائی حصہ بچتا ہے "يَنْزِلُ رَبُّنَا" (ہمارا ربّ نازل ہوتا ہے)۔

اور ربّ یاد رکھیں اللہ نہیں فرمایا ربّ فرمایا ہے کیا فرق ہے؟ اللہ ہی تو ربّ ہے نا لیکن لفظ دیکھیں! ربّ کسے کہتے ہیں؟ خالق ہے، مالک ہے، تدبیر کرنے والا ہے، مشکل کشا ہے حاجت روا ہے، نفع و نقصان کا مالک ہے، یہ ساری صفات ربوبیت کی صفات ہیں۔

دنیا میں وہ کون سا انسان ہے جس کی کوئی دعا نہیں ہے یا چاہت نہیں ہے؟ یا کوئی مسئلہ نہیں ہے یا کوئی تکلیف نہیں ہے؟ یا اُس کی کوئی مانگ نہیں ہے؟ کوئی ایسا انسان ہے؟! ہم سب محتاج ہیں کہ نہیں؟ کسی نہ کسی اعتبار سے امیر بھی محتاج ہے فکر اس کو بزنس کی ہوتی ہے کہ نہیں ہوتی تو کس سے مانگتا ہے؟ وہ بھی ربّ سے مانگتا ہے۔

مشکل ہے تکلیف ہے، دکھ ہے پریشانی ہے، روزگار کا مسئلہ ہے، اولاد کا مسئلہ ہے، بیوی کا مسئلہ ہے بچوں کا مسئلہ ہے، مہنگائی کا مسئلہ ہے، جو بھی مسائل ہیں حل ایک ہی ذات نے کرنے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں ہے۔

ایک تورات کے آخری پہر میں نازل ہونا اچھا پھر آپ اعلان دیکھیں ذرا: ''فَيَقولُ'' اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں رات کے اُس آخری پہر میں: ''مَنْ يَدْعوني فَأَستجيبَ لَهُ'' (کون ہے جو مجھ سے مانگے جو مجھ سے دعا کرے میں اس کی دعا قبول کروں)۔ سارا دن دعائیں مانگتے رہتے ہیں مانگتے ہیں کہ نہیں؟ وہ ہمارے مطلب کا وقت ہوتا ہے ہم چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وقت دیا ہے یہ وقت ہے قبولیت کا اللہ تعالیٰ اعلان فرماتا ہے کوئی ہے جو مجھ سے مانگے میں اسے دوں، دعا کرے میں اس کی دعا قبول کروں؛ ''مَنْ يَسْأَلُني فَأُعْطِيَهُ'' (کون ہے جو مجھ سے مانگے تاکہ اسے میں دوں) ''مَنْ يَسْتَغْفِرُني فَأَغْفِرَ لَهُ'' (کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے گناہ بخشوانا چاہتا ہے اس کے گناہ بخش دوں میں)۔

کیا چاہیے مجھے بتائیں؟! جب انسان مانگتا ہے کیا مانگتا ہے؟ یا تو مغفرت کی دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے مجھے معاف کردے، یا تو وہ کسی مسئلے میں پھنسا ہوتا ہے کسی پریشانی میں ڈوبا ہوتا ہے اس پریشانی سے نکلنا چاہتا ہے اس مسئلے کا حل چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کوئی ہے مجھ سے سوال کرنے والا تاکہ میں اسے وہ دوں جو وہ چاہتا ہے۔

دونوں میں کیا فرق ہے دعا بھی ہے اور سوال بھی ہے؟ دعا عبادت بھی ہے "دعاء العبادة ودعاء المسألة" دو قسم کی دعائیں ہیں؛ ابھی آپ تسبیح پڑھیں "سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ" یہ بھی دعا ہے، آپ درود پڑھتے ہیں "اللهم صل على محمد"، "صلى الله عليه وآله وسلم" یہ بھی دعا ہے؛ یہ مانگنی بھی ہے آپ مانگتے ہیں، اور جو پہلے تسبیح ہے وہ دعاء العبادۃ ہے (سبحان اللہ)۔

تو دعا کی قبولیت کا وقت ہے، سوال مسئلے مسائل کے حل کا وقت ہے، اور گناہوں کو بخشوانے کا وقت ہے بخشش کا وقت ہے (سبحان اللہ)؛ تو اپنے آپ کو اس پیارے اور بابرکت وقت میں یہ تمام جو اللہ تعالیٰ نے خیر بیان فرمائے ہیں محروم نہ کیجیے گا۔

آپ کا کتنا ٹائم جائے گا؟ الارم کر لیں فجر سے آدھا گھنٹہ پہلے اٹھ جائیں۔ ایک گھنٹہ نہیں کر سکتے آدھا گھنٹہ تو اٹھ سکتے ہیں؟ بہترین وقت ہے واللہ! فجر کی نماز ویسے ہی پڑھتے ہیں نا (الحمد للہ) تو آدھا گھنٹہ پہلے الارم لگا لیں، جسے مزید توفیق ہو واللہ آپ آدھا گھنٹہ پہلے لگائیں گے آپ ایک گھنٹہ پہلے بھی لگا لیں گے پھر، اتنا پیارا وقت ہے اپنے ربّ سے قربت حاصل کرنے کا اور اپنے مسائل کے حل کا، کل کی تلاش کا بڑا پیارا وقت ہے!

اور دیکھیں اس حدیث سے ایک اور چیز بھی بیچ میں مجھے یاد آگئی ہے صلوۃ اللیل کے تعلق سے سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہما) سے کسی نے سوال کیا ہے کہ اللہ تعالی کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام صلوۃ اللیل جو ہے (تہجد ہے) کس دعا سے افتتاح کرتے تھے (یعنی جب تکبیر تحریمہ پڑھ لیتے تھے تو کون سی دعا پڑھتے تھے)؟ سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہما) فرماتی ہیں (نوٹ کر لیں ذرا یہ آپ کو فنگر ٹپس پر یاد ہو جائے گا): (۱) دَس مرتبہ تکبیر یعنی اللہ اکبر، اللہ اکبر؛ یعنی تکبیر تحریمہ اللہ اکبر پڑھ لی آپ نے اِس کے فوراً بعد دَس مرتبہ تکبیر۔ (۲) دَس مرتبہ تسبیح: سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ ۔(۳) دَس مرتبہ تحمید: الحمد للہ، الحمد للہ، الحمد للہ۔ (۴) دَس مرتبہ تہلیل یعنی: لا اِلہ لا اللہ، لا اِلہ لا اللہ، لا اِلہ لا اللہ۔ (۵) دَس مرتبہ استغفار یعنی: استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ۔ (۶) دَس مرتبہ یہ دعا: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي ۔(۷) اور دَس مرتبہ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ ضِيقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ ضِيقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ ضِيقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

سات جملے ہیں، دَس مرتبہ ایک، ستّر مرتبہ آپ ایک دعا کرتے ہیں (آپ ذرا غور کریں)؛ اس حدیث کو ابن حبان نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے صحیح فرمایا ہے؛ اور یہ الفاظ جو ہیں ابن حبان کے الفاظ ہیں؛ اس حدیث کو سامنے رکھیں آپ اس حدیث کے جس میں اللہ تعالی نازل ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالی کے شایان شان ہے "مَنْ يَدْعوني فَأستجيبَ لَهُ، مَنْ يَسْأَلُني فَأعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُني فَأغْفِرَ لَهُ" تین چیزیں ہیں نا:

(۱) اب آپ پڑھتے ہیں دَس مرتبہ اللہ اکبر، اللہ اکبر؛ پھر تسبیح ہے، پھر تحمید ہے، پھر تہلیل ہے یہ کیا ہیں؟ دعاء العبادۃ: "مَنْ يَدْعوني فَأستجيبَ لَهُ" ہو گیا۔

(۲) استغفر اللہ، استغفر اللہ، دَس مرتبہ "مَنْ يَسْتَغْفِرُني فَأغْفِرَ لَهُ"۔

(۳)''اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ، وَاهْدِنِي، وَارْزُقْنِي'' یہ کیا ہے؟سوال کیا ہے نا"المسألۃ":یہ بھی ہو گیا:''اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ ضِيقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ'':یہ بھی ہو گیا۔

مناسبت دیکھی آپ نے کتنی پیاری ہے !آپ نے کچھ چھوڑا ہے ؟ دنیا کی خیر یا آخرت کی خیر کوئی چیز چھوڑی ہے آپ نے؟

''اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي، وَاهْدِنِي، وَارْزُقْنِي'': مغفرت کی دعا ہدایت کی دعا؛ابھی نماز پوری ہے آپ نے پڑھنی ہے سورۃ الفاتحہ پڑھنی ہے، پھر آپ نے سجدے میں جا کر دعا کرنی ہے وہ وقت آپ کے پاس ہے، پھر دونوں سجدوں کے بیچ میں دعا وہ آپ نے پڑھنی ہے، پھر تشہد کے بعد جو دعائیں ہیں سب ہیں ابھی،ابھی تو آپ نے صرف استفتاح کیا ہے (سبحان اللہ)۔

''اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي، وَاهْدِنِي، وَارْزُقْنِي'' دنیا کا ہو گیا معاملہ۔دنیا میں آپ کو کیا چاہیے؟مغفرت چاہیے مل گئی،ہدایت چاہیے مل گئی،رزق چاہیے مل گیا؛اور رزق میں عموم ہے: علم بھی ہے، صحت بھی ہے،عافیت بھی ہے،مال بھی ہے،روزگار بھی ہے،نیک اولاد بھی ہے،اس میں سب شامل ہو گئے ہیں۔

کیا رہتا ہے ابھی؟آخرت کی تنگی۔کیا فرمایا ہے کیا دعا ہے؟کتنی پیاری دعا ہے:''اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ ضِيقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ'' (اے اللہ تعالیٰ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں آخرت کے دن کی تنگی سے)۔

اور آخرت کے دن آپ شروع سے دیکھیں تنگی ہی تنگی ہے!إلا من رحم الله سبحانه وتعالیٰ۔

تو اس دعا کو نوٹ کر لیں اور اس حدیث کے ساتھ اسے جوڑ دیں اور آپ یہ دعا پڑھیں ان شاءاللہ، قسم کھا رہا ہوں واللہ! لائف چینجنگ(Life changing)دعا ہے!آپ خود دیکھ لیں اور یہ تجربے کی بات نہیں ہے کہ یہ کریں گے تو وہ ہو گا ،یقینی ہے واللہ! مسئلے مسائل ہیں تکلیفیں ہیں ہم سب ڈوبے ہوئے ہیں، سب کو مسائل ہیں تکلیفیں ہیں،اور جیسے جیسے قیامت قریب آرہی ہے مصیبتیں بڑھتی جارہی ہیں کم نہیں ہو رہیں؛اور یہ پیارا ایک راستہ ہمیں دکھایا ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ربّ کو راضی کرنے کا اور اپنے معاملات کو سیدھا کرنے کا آسان ہے کہ مشکل ہے؟

سارا دن روتے رہتے ہیں رونا دھونا ختم نہیں ہوتا،ہائے مر گئے!ہائے یہ ہو گیا!ہائے وہ ہو گیا!ارے رونا دھونا ختم کریں اُس سے کچھ ملنے والا نہیں ہے،رات کی تاریکی میں اُٹھیں،کوئی نہیں جانتا کیا ہو رہا ہے سب سو رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے

خاص بندوں کے لیے خاص وقت ہے ورنہ اس سے پہلے بھی ہو سکتا ہے کہ نہیں؟! اللہ کی مرضی ہے۔ایک یہ وقت کیوں ہے رات کا آخری پہر کیوں ہے؟ کیونکہ اس میں ہر بندہ نہیں اُٹھنے والا؛ نیند سب کو عزیز ہے سب کو پیاری ہے، اللہ کے لیے جو نیند کو چھوڑ سکتا ہے اس مشکل وقت میں وہ پانچ نمازیں چھوڑے گا پھر؟!

کیا خیال ہے اللہ تعالیٰ کو کیوں سب سے محبوب ہے صلوۃ اللیل پتہ ہے؟ نوافل میں سب سے زیادہ محبوب اللہ تعالیٰ کو صلوۃ اللیل کیوں ہے؟ کیونکہ مشقت ہے اس میں؛ جو اس ٹیسٹ میں مشقت میں کامیاب ہو جاتا ہے تو فرض نمازیں چھوڑے گا وہ کیا؟! وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا؟! وہ محرمات سے اجتناب کرے گا کہ نہیں کرے گا؟ جب وہ مشکل کام کر لے گا تو باقی تو آسان ہے کرنا مزید آسان ہو گا کہ نہیں؟!

اس لیے آپ دیکھتے ہیں جو صلاۃ اللیل پڑھتے ہیں چہرے پر رونق الگ ہوتی ہے،اُن کے بات کرنے کا انداز الگ ہوتا ہے، اُن کا مصیبت سے لڑنا الگ ہوتا ہے سامنا کرنا الگ ہوتا ہے! بندہ دیکھتا ہے کہ اتنا ضعیف کمزور سا بندہ ہے پہاڑوں کی طرح مصیبتیں ہیں ہلتا نہیں ہے مصیبتوں میں!

وجہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی مدد ساتھ ہے،اُس کو پتہ ہے کہ اُس نے کب مانگنا ہے کیا مانگنا ہے کیا کرنا ہے؛ اس کو سب پتہ ہے اور اسے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کبھی نامراد نہیں کرے گا؛ دنیا والے آئیں گے دوست احباب وعدہ بھی کریں گے، کچھ کر پائیں گے کچھ نہیں کر پائیں گے، وہ بھی محتاج ہیں ہماری طرح نا!

اسباب ہیں (اسباب شرعیہ ہیں)، آپ جائیں دوست سے مدد بھی مانگیں کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن اِس وقت میں آپ کیا کر رہے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے خاص اس وقت کو اختیار کیا ہے کہ اس وقت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

اس لیے آج سے ہم اگر واقعی اپنی بھلائی چاہتے ہیں آخرت کی تنگی سے بچنا چاہتے ہیں، واقعی ہدایت یافتہ ہونا چاہتے ہیں، واقعی مغفرت طلب کرنا چاہتے ہیں، واقعی ہمیں روزگار کا مسئلہ ہے، ہمیں اولاد کا مسئلہ ہے، بیوی بچوں کا مسئلہ ہے؛ کوئی پریشانی لاحق ہے بہترین وقت ہے۔

اور آپ یہ دیکھیں کہ ایک رات میں نہیں صرف "كُلَّ لَيْلَةٍ"؛ بھئی ہر رات میں ہوتا ہے یہ!

اگر سال میں ایک رات ہوتی غنیمت تھی کہ نہیں؟ کیا خیال ہے کہ اگر یہ رات سال میں ایک دفعہ ہوتی بس اس کا انتظار ہوتا کہ نہ ہوتا؟ اگر مہینے میں ایک رات ہوتی؟ ہفتے میں ایک رات؟ روزانہ ہے بھئی ہر رات میں!

اس سے بڑھ کر آپ کو بھلائی کیا چاہیے؟!

کمال ہے واللہ! اُس ربّ کا کمال ہے جس نے اپنے بندوں کے لیے اتنی آسانیاں کی ہیں کہ وہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچا لے، ضلال سے بچالے گمراہی سے بچالے، اور دنیا کی تنگی اور آخرت کی تنگی سے بچالے۔

سوال یہ ہے کہ کتنے لوگ ہیں جو سمجھنے والے ہیں اور کتنے لوگ ہیں جو کرنے والے ہیں؟!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں اُن میں شامل کردے جو ان پیاری احادیث پر دل سے یقینی ایمان رکھنے والے ہوں اور عمل بھی کرنے والے ہوں۔

اب واپس آتے ہیں شرح پر؛ شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اس حدیث کے تعلق سے بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث متواتر احادیث میں سے ہے (بعض علماء نے کہا ہے کہ حدیث نزول جو ہے یہ متواتر احادیث میں سے ہے) اور اتفاق یہ ہے کہ مشہور احادیث میں سے جو مستفیض احادیث ہیں اہل سنت والجماعت کے نزدیک۔

جو علماء کہتے ہیں کہ متواتر نہیں ہیں قاعدہ کیا ہے؟ صحیح ثابت ہو گیا نا متفق علیہ حدیث ہے نا، کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان "يَنْزِلُ رَبُّنَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا": اس مراد جو ہے نزول "نزوله تعالىٰ حقيقي"؛ حقیقی نزول ہے، جیسے پہلے گزر چکا ہے کہ جب بھی ضمیر واپس اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتا ہے یہ نسبت ضمیر کی اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ حقیقی معنی مراد ہے؛ اور ہمیں ایمان رکھنا چاہیے اور تصدیق کرنی چاہیے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارا ربّ نازل ہوتا ہے دنیاوی آسمان پر، دنیاوی آسمان وہ آسمان ہے جو زمین سے زیادہ قریب ہے، اور سات آسمان ہیں اور اللہ تعالیٰ رات کے اس وقت میں نازل ہوتا ہے تاکہ اپنے بندوں کے قریب ہو جائے جیسا کہ عرفات کی شام میں اللہ تعالیٰ نازل ہوتا ہے اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فخر کرتا ہے کہ جو اللہ کے بندے میدان عرفات میں کھڑے ہیں اور دعا مانگ رہے ہیں۔ (اور یہ حدیث جو ہے صحیح مسلم کی حدیث ہے عرفات کے دن کے تعلق سے کہ عرفات کے دن میں بھی اللہ تعالیٰ جو ہے وہ بندوں کے قریب ہو جاتے ہیں)۔

اب ہر رات سے مراد (شیخ صاحب فرماتے ہیں) سال کی تمام راتیں؛ جب رات کا آخری پہر بچ جاتا ہے جیسے میں نے بتایا ہے کہ سورج کے غروب سے لے کر وقت شروع ہوتا ہے اس پر اتفاق ہے علماء کا، اختلاف اس چیز پر ہے کہ اس کا آخری وقت کیا ہے رات کا، کیا فجر کے طلوع سے ہوتا ہے یا سورج کے طلوع سے ہوتا ہے۔

تو فرق پہلے بیان کر چکا ہوں فجر کے طلوع سے کیا مراد ہے اور سورج کے طلوع سے کیا مراد ہے؟ فجر کے طلوع سے فجر کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے، اور سورج کے طلوع سے فجر کی نماز کا وقت ختم ہوتا ہے۔

اور شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اس میں علماء کا اختلاف ہے اب رات کا وقت کب شروع ہوتا ہے ؟اتفاق سورج غروب سے (یہ اتفاق ہے کہ جب سورج غروب ہو جاتا ہے رات کا وقت شروع ہو جاتا ہے)؛اختلاف کس چیز میں ہے؟ رات کا وقت کب ختم ہوتا ہے کیا فجر کے طلوع سے یعنی جب فجر کی آذان ہوتی ہے رات ختم ہو گئی یا جب تک سورج طلوع نہیں ہوتا تب تک رات باقی رہتی ہے؟

اور قول راجح یہ ہے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں؛ ظاہر یہ ہے کہ جو"الشرعي" شرع کے تعلق سے جو رات ہے وہ فجر کے نکلنے سے ختم ہو جاتی ہے، اور جو فلکی رات ہے وہ سورج کے طلوع ہونے سے ختم ہوتی ہے۔

اب رات کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک ہے"الليل الشرعي"۔ (۲) دوسری ہے"الليل الفلكي"۔

فلک سے مراد یہ جو آسمان اور تارے، اور چاند اور سورج کی جو حرکتیں ہیں اس کے تعلق سے جو دن اور رات میں تبدیلی آتی ہے تو اسے کہتے ہیں "الإختلاف الفلكي" (فلک کے تعلق سے جو فرق پڑتا ہے یا اختلاف ہوتا ہے)؛ اور جس کا تعلق نمازوں سے ہے وہ "الليل الشرعي" ہے۔

اب نماز شرعی مسئلہ ہے نا، دن اور رات کا داخل ہونا فلکی مسئلہ ہے (فلک سے اس کا تعلق ہے)، سورج کی موومنٹ (Movement) سے حرکت سے چاند کی حرکت سے اس کا تعلق ہے۔ ایسا ہے کہ نہیں؟

اب جو فلکی رات ہے اس کا تعلق شرعی رات سے نہیں ہے اُس کا تعلق چاند اور سورج کی حرکت سے ہے، اور جو شرعی رات ہے اس کا تعلق نمازوں سے ہے؛ فجر کی نماز سورج طلوع ہونے سے نہیں ہوتی بلکہ ختم ہو جاتا ہے ٹائم۔ تو فجر کی نماز کب شروع ہوتی ہے؟ اللیل الشرعی میں۔

یعنی فجر کی نماز کوئی شخص کہے کہ فجر کی نماز ہم رات کو پڑھتے ہیں صحیح ہے کہ غلط ہے؟ غلط ہے۔

اللیل الشرعی فجر تک ہوتا ہے، اور جو اللیل الفلکی ہے وہ سورج طلوع ہونے تک ہوتا ہے؛ جب ہم کہتے ہیں "اللیل الشرعی" کب ختم ہوتا ہے؟ فجر کی آذان کے وقت ختم ہوتا ہے۔ تو نماز ہم کب پڑھتے ہیں رات کو یا دن کو؟ دن میں پڑھتے ہیں نا کیونکہ شرعی دن کب شروع ہوتا ہے سورج نکلنے سے یا اُس سے پہلے؟ فجر کی جب آذان ہوتی ہے نا، اب

روشنی تو نہیں ہوتی رات ہی ہوتی ہے نا اندھیرا ہی ہوتا ہے۔ تو فجر کی نماز ہم پڑھتے ہیں دن میں لیکن دن کون سا ہے دن تو ابھی آیا ہی نہیں ہے؟ شرعی دن؛ یہ فرق ہے۔ فلکی دن کب شروع ہوتا ہے؟ جب سورج نکلتا ہے (بارک اللہ فیک)؛ یہ فرق ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): ''مَنْ يَدْعونِي'' حدیث میں جو ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے حدیث قدسی ہے؛ یہ استفہام ہے تشویق کے لیے تاکہ شوق پیدا ہو "کون ہے جو مجھے پکارے"، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ الصف آیت نمبر 10 میں: ﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۝۱۰﴾؛ یہاں پر استفہام ہے ﴿هَلْ﴾ استفہام کے لیے ہے؛ (کیا میں تمہیں ایسی تجارت کے بارے میں نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے)۔

تو ظاہر ہے شوق پیدا ہوتا ہے اور واقعی تجارت تو پتہ ہونا چاہیے کہ کون سی تجارت ہے جو ہمیں دردناک عذاب سے بچا سکتی ہے؛ اس لیے یہاں پر ''مَنْ يَدْعونِي'' (کون ہے جو مجھ سے مانگے)، تو یہ استفہام تشویق کے لیے ہے تاکہ شوق پیدا ہو۔

''يَدْعونِي'': یعنی: يقول: يا رب! (اے میرے ربّ!)۔

(یا "اللّٰهمّ"؛ یہ سب دعا کے لیے ہے)۔

''فَأَسْتَجِيبَ لَهُ'': بالنصب: جواب الطلب ہے۔

''مَنْ يَسْأَلُنِي'': یعنی جیسے کوئی کہے کہ اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں (کوئی بھی سوال ہو یا اس طریقے کی اور دعا جو ہے کوئی سوال)۔

''مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي'' (کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے): یعنی: ''اللّٰهمّ اغفر لي، أو: أستغفرك اللّٰهمّ!''۔

یا: "اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ"؛ یا "أستغفر اللہ، أستغفر اللہ"؛ یہ سب جو ہے یہ دعائے مغفرت کے الفاظ ہیں۔

''فَأَغْفِرَ لَهُ'' یعنی میں اُس کے گناہ بخش دیتا ہوں: ''والمغفرة ستر الذنب والتجاوز عنه'': گناہوں سے تجاوز کرنا اور اُن پر پردہ ڈال دینا۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر انسان جو اس حدیث کو پڑھتا ہے تو اسے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ نزول سے مراد اللہ تعالیٰ کا نازل ہونا ہے، اور یہاں پر یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم یہ کہیں "نزول بذاتہ" (اپنی ذات سے نازل ہوتا ہے)؛ کیونکہ جب فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو گئی ہے تو یہ نزول اللہ ہی کا ہے کسی اور کا نہیں ہے۔

لیکن بعض علماء نے کہا ہے "ينزل بذاته": یہ بھی علماء کا ایک قول ہے (یعنی جو اہل سنت کے علماء ہیں یہ بھی قول ہے) کیونکہ اُن کو ضرورت پڑی اس لفظ کو اس میں شامل کرنے کی کیونکہ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے تحریف کی ہے اور یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (یا اللہ تعالیٰ کا اُمر) نازل ہوتا ہے، تو اُن کے ردّ میں اہل سنت والجماعت کے علماء نے کہا ہے "ینزل بذاتہ، یا ینزل بنفسہ"۔

اور بعض اہل تحریف نے یہ بھی کہا ہے (اہل تحریف نے دو راستے اختیار کیے ہیں): (۱) ایک تو یہ کہا ہے کہ: "ينزل أمر الله": اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوتا ہے۔ (۲) اور دوسرا کہا ہے "ينزل رحمة الله": اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ (۳) اور تیسرے گروہ نے کہا ہے کہ جو نازل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ نازل ہوتا ہے (اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ نازل ہوتا ہے)۔

اور یہ ساری چیزیں باطل ہیں۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: "وهذا باطل" یہ باطل ہے؛ اللہ تعالیٰ کا نزول ہمیشہ ہے اور اَبدی ہے اور اس نزول کا جو وقت مقرر ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاص مقرر فرمایا ہے وہ رات کے آخری پہر میں ہے۔

معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا اُمر نازل ہونا جیسا کہ اہل باطل نے کہا ہے کہ اللہ کا حکم نازل ہوتا ہے، اللہ کا حکم صرف رات کے آخری پہر میں نازل ہوتا ہے یا ہمیشہ نازل ہوتا ہے؟! وقت مقرر ہے خاص؟! نہیں! ہمیشہ نازل ہوتا ہے۔

اس کی دلیل کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ السجدۃ آیت نمبر 5 میں: ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ﴾ (اللہ تعالیٰ تدبیر کرتا ہے اُمر کی آسمان سے زمین کی طرف پھر واپس اللہ تعالیٰ کی طرف بلند ہو جاتا ہے) (السجدۃ:5)۔

اور سورۃ ھود آیت نمبر 123 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ﴾ (اور تمام اُمور جو ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف واپس لوٹتے ہیں) إلي آخر الآية (ھود:123)۔

یعنی یہ بات تو غلط ثابت ہوگئی ہے کہ جو نازل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اللہ تعالیٰ کا اُمر نازل ہوتا ہے۔ کیوں؟ کیونکہ "رات کے آخری پہر میں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوتا ہے" وہ تو ہمیشہ ہر وقت میں نازل ہوتا ہے؛ تو یہ قول غلط ہے۔ دوسرا یہ قول "کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے دنیاوی آسمان پر"؛ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جو ہے وہ ہمیشہ نازل ہوتی ہے یا صرف رات کے آخری پہر میں نازل ہوتی ہے؟! فسبحان الله؛ تو یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ﴾ إلي آخر الآية (تمہیں جو بھی نعمت ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے) (النحل: 53)؛ اور یہ جو بھی نعمتیں ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے آثار میں سے ہیں اور یہ ہمیشہ نازل ہوتی رہتی ہیں (اللہ کی رحمتیں ہمیشہ برکتیں ہمیشہ نازل ہوتی رہتی ہیں)۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کا فائدہ کیا ہے کہ اللہ کی نعمت دنیاوی آسمان پر نازل ہوتی ہے؟ کیا وجہ ہے اس سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟ (سبحان اللہ)۔ اچھا اللہ تعالیٰ کا نازل ہونا فائدہ ہے کہ نہیں؟ قریب ہو جاتا ہے اپنے بندوں کے، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اللہ کی مرضی ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ ہے جو نازل ہوتا ہے یہ باطل ہے کہ نہیں؟ کیسے باطل ہے؟ کہ کیا فرشتہ کہے گا کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں؟! مَنْ يَدْعوني فَأَستجيبَ لَهُ فرشتہ کہہ سکتا ہے؟! (سبحان اللہ)؛ تو یہ بھی بات باطل ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: تو اس سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ یہ اقوال جو ہیں یہ باطل تحریف ہے، حدیث ہی کافی ہے ان تمام باتوں کو باطل کرنے کے لیے۔

صرف حدیث کے الفاظ ہی دیکھ لیں آپ "ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرِ" میں پہلی دو باتیں اُڑ گئیں "أمر الله" کا خاص وقت نہیں ہے "رحمة الله" کا خاص وقت نہیں ہے، اور فرشتے کا قول حدیث کے جو باقی الفاظ ہیں وہ اُڑا دیتے ہیں؛ کیونکہ یہ ناممکن ہے اللہ تعالیٰ کا فرشتہ کہے کہ مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں! گناہوں کی مغفرت فرشتہ کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کرتا ہے کون کرتا ہے؟! (سبحان اللہ)؛ تو یہ سارے اقوال جو ہیں باطل ہیں۔

پھر شیخ صاحب قسم کھاتے ہیں، شیخ صاحب فرماتے ہیں: اور اللہ کی قسم! یہ سارے جو ہیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ علم نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ کے تعلق سے (سب سے زیادہ علم کون رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کے تعلق سے؟ اللہ کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام)، اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ نصیحت نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو (سب سے زیادہ نصیحت کون کرنے والا ہے؟ اللہ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام)، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ فصیح نہیں ہو سکتے فصاحت کے اعتبار سے بلاغت کے اعتبار سے!

یہ تو بات واضح ہو گئی، اب دوسرا ایک مسئلہ ہے اس کو بیان کرتے ہیں؛ یعنی اہل بدعت کا اور اہل اہواء کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ خود نازل نہیں ہوتا اِس سے یہ لازم اور وہ لازم، ابھی لوازمات بتاتا ہوں اُن کے کیا غلط فہمیاں ہیں۔

تو حدیث میں تو "نازل" ہو گیا! کہتے ہیں کہ حدیث صحیح ہے متفق علیہ حدیث ہے مانتے ہیں لیکن اللہ نازل نہیں ہوتا بلکہ اللہ کا حکم نازل ہوتا ہے، یا اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے، یا فرشتہ نازل ہوتا ہے۔

یہ بتاؤ کہ تم زیادہ بہتر جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام؟! اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے تعلق سے، سب سے زیادہ نصیحت کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کے بندوں کو، اور سب سے زیادہ فصاحت اور بلاغت کا کمال اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، سچ ہے؟! اگر اُمر اللہ یا رحمۃ اللہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرتے کہ نہ کرتے؟ جو علم ہی سب سے زیادہ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق سے، نصیحت بھی سب سے بڑی کرنے والے ہیں سب سے عظیم نصیحت کرنے والے ہیں، اور فصاحت کے اعتبار سے سب سے بلند درجہ رکھتے ہیں تو یہ لفظ شامل کرنے کا مسئلہ تھا کوئی رحمۃ اللہ کہہ دیتے اُمر اللہ کہہ دیتے؟! جب نہیں فرمایا تو معنی مراد ہر گز نہیں ہے، واضح ہے۔ فرماتے ہیں "اللہ کا فرشتہ نازل ہوتا ہے" نہیں فرما سکتے تھے؟!

بلکہ حدیث تو ان چیزوں کے مخالف ہے، حدیث کے ظاہر الفاظ دیکھ لیں آپ، آپ کو ضرورت نہیں پڑے گی لیکن اگر حدیث آپ کی سمجھ میں نہیں آتی لیکن یہ قاعدہ تو آپ کو سمجھ میں آنا چاہیے نا!

اب عقل کو آگے کرتے ہیں تو عقل کیا کہتی ہے سب سے زیادہ علم اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق سے اور اسماء وصفات کے تعلق سے کون رکھتا ہے؟ سب سے زیادہ فصاحت اور بلاغت اللہ تعالیٰ نے کس کو عطا فرمائی ہے؟ سب سے زیادہ نصیحت کرنے کا حق کس نے ادا کیا ہے تم لوگوں نے کیا ہے یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے؟! (سبحان اللہ)۔

تو عقلی قاعدے سے بھی بیچارے مار کھا گئے ہیں!

پھر وہ کہتے ہیں مخالفین جو ہیں: تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نازل ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نازل ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی صفت علو کہاں باقی رہتی ہے؟! ابھی آپ لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے اور قرآن مجید کی پتہ نہیں ہزار آیات سے بھی زیادہ ہمیں بار بار سناتے ہو کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہے، اور جب نازل ہو جاتا ہے تو پھر یہ علو کہاں چلا جاتا ہے؟! اور جب آپ کہتے ہیں کہ اللہ عرش پر مستوی ہے، جب نازل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ رات کے آخری پہر میں پھر استواء کہاں باقی رہتا ہے؟! کیونکہ نازل ہونا حرکت ہے اور انتقال ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف، اور نزول جو ہے یہ حادث ہے (یعنی ایک ایکشن (Action) ہے جو ہوتا ہے)، اور اللہ تعالیٰ کے تعلق سے یہ باطل ہے کہ حوادث اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ممکن نہیں ہے!

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) اس شبہے کے جواب میں: کہ یہ "جدال بالباطل" ہے، اور کوئی چیز منع نہیں کر سکتی یہ کہنا کہ نزول حقیقی ہے (تم نے جو باتیں کی ہیں جواب دیتے ہیں ابھی یہ باطل ہیں لیکن ان میں سے کوئی بات بھی حقیقی نزول کی نفی نہیں کر سکتی)؛ کیا تم لوگ زیادہ جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سے؟!

یعنی کیا چیز اللہ تعالیٰ کا حق ہے کیا حق نہیں ہے، کیا چیز اللہ تعالیٰ کے لیے درست ہے کیا درست نہیں ہے، کیا واجب ہے کیا لازم ہے کیا نہیں ہے، کون جانتا ہے زیادہ؟ صحابہ زیادہ جانتے ہیں کہ تم لوگ زیادہ جانتے ہو؟!

اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے یہ تین احتمالات یا جو بھی تم یہ احتمالات کہہ رہے ہو کیا انہوں نے کبھی کہا ہے؟! انہوں نے صرف ایک جملہ کہا ہے: "سمعنا وآمنّا وقبلنا وصدّقنا"۔

"سمعنا وأطعنا": ایمان ہے تصدیق ہے وہ تو یہ جانتے ہیں۔

کبھی کسی صحابی نے جب اس حدیث کو سُنا ہے (سُنا ہے کہ نہیں سُنا ہے؟ یقیناً سُنا ہے) کسی صحابی نے بھی یہ اعتراض اٹھایا ہے یا یہ غلط فہمی کا اظہار کیا ہے کہ فرشتہ تو ہو سکتا ہے (ہو سکتا ہے دیکھیں یہ نہیں کہ فرشتہ ہے)؟ کیا فرشتہ ہو سکتا ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ کیا رحمت ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ کی نازل جب ہوتی ہے؟ کیا اللہ کا حکم نہیں ہو سکتا یہ؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہو پھر نازل ہو گا؟!

یہ باتیں اُن کے ذہن میں کیوں نہیں آئیں ؟! کیونکہ دل پاک ہیں دل میں ایمان ہے، جب دل میں ایمان مضبوط ہوتا ہے تو پھر عقل بھی اس کے تابع ہو جاتی ہے، دماغ بھی اس کے تابع ہو جاتا ہے، زبان بھی اس کے تابع ہو جاتی ہے، یہ آنکھیں یہ کان یہ ناک، جسم کے تمام اعضاء تابع ہو جاتے ہیں۔

اور جب دل میں ایمان کمزور ہو پھر عقل بھی غالب آتی ہے، زبان بھی بے قابو ہو جاتی ہے، پھر باقی اعضاء بھی بے قابو ہو جاتے ہیں، اور دل تابع ہو جاتا ہے اعضاء کے۔

اُلٹا ہوتا ہے کہ نہیں ؟! تمام سب اُلٹا چل جاتا ہے اس لیے اُن کو بات سمجھ میں نہیں آتی۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: تم مخالفت کرنے والے اب آتے ہو اور جدال بالباطل کرتے ہو، اور یہ کہتے ہو کیسے ؟! اور کیسے ؟! ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نازل ہوتا ہے اور استواء کے تعلق سے بات نہیں کرتے کہ عرش خالی ہوتا ہے یا عرش خالی نہیں ہوتا ہے، اور علو کے تعلق سے ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات پر بلند بھی ہے، اور نزول کا معنی یہ ہرگز نہیں ہے کہ آسمان نے اللہ تعالیٰ کو اُٹھایا ہوا ہے جب اللہ تعالیٰ نازل ہوتا ہے تو آسمان اللہ کے اوپر آ جاتا ہے یا احاطہ کر لیتا ہے، ہرگز نہیں! ناممکن ہے کہ مخلوقات میں سے کوئی مخلوق بھی اللہ تعالیٰ کا احاطہ کر سکے، اور آسمان بھی اللہ کی مخلوقات میں سے ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ حقیقتاً نازل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے اور اللہ تعالیٰ کا علو اور بلندی بھی حقیقت ہے، اور: ''وليس كمثله شيء'': اللہ تعالیٰ جیسی کوئی چیز بھی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز بھی نہیں ہے۔

اور عرش پر استواء کے تعلق سے؛ یہ فعل ہے صفات الذات میں سے نہیں ہے، اور ہمارا کوئی حق نہیں ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ میں یہ سمجھتا ہوں ہمارا کوئی حق نہیں ہے) ہم یہ بات کہیں کہ اللہ کا عرش خالی ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے، بلکہ ہم خاموشی اختیار کرتے ہیں جیسا کہ صحابہ نے خاموشی اختیار کی ہے (رضي الله عنهم عن الصحابة أجمعين)۔

اور اہل سنت والجماعت کا اس معاملے میں جو مؤقف ہے اُن کے تین اقوال ہیں: (۱) پہلا قول یہ ہے کہ عرش خالی ہو جاتا ہے۔ (۲) دوسرا یہ ہے کہ خالی نہیں ہوتا ہے۔ (۳) تیسرا یہ ہے کہ توقف سے کام لیا گیا ہے (خاموشی اختیار کرتے ہیں توقف سے کام لیتے ہیں)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے جیسا کہ انہوں نے "الرسالة العرشية" میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش خالی نہیں ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کے جو دلائل ہیں وہ محکم ہیں اور یہ حدیث بھی محکم ہے اور اللہ تعالیٰ کی جو صفات ہیں مخلوق کی صفات پر قیاس نہیں کی جاتیں، تو جب تمام دلائل محکم ہیں استواء کے تعلق سے بھی اور نزول کے تعلق سے بھی تو اِن سب پر ایمان واجب ہو جاتا ہے اور نصوص الاستواء جو ہیں دلائل ہیں وہ اپنے احکام پر باقی رہیں گے اور جو نص ہے نزول کے تعلق سے یہ بھی اپنے احکام پر باقی رہے گا، اور ہم یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور دنیاوی آسمان پر بھی نازل ہوتا ہے اور کیفیت کا صرف اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کوئی اور نہیں جانتا، ہمارے عقول جو ہیں (ہماری عقلیں جو ہیں) وہ قاصر ہیں اور اُدنیٰ اور اس سے زیادہ حقیر ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا احاطہ کر سکیں۔

یعنی ہماری عقلوں کی کوئی مجال نہیں ہے کہ وہ کیفیت کی طرف رسائی کر سکیں، یا یہ کہیں کہ عرش یعنی خالی نہیں ہوتا ہے، یا خالی ہوتا ہے؛ اور جو یہ شیخ صاحب نے دلائل پیش کیے ہیں (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے) کہ عرش خالی نہیں ہوتا ہے یعنی عرش پر بھی رہتا ہے اور قریب بھی ہوتا ہے نازل بھی ہوتا ہے۔

دوسرا قول توقف کا ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ خالی ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے۔

تیسرا قول جو ہے وہ یہ ہے کہ عرش خالی ہو جاتا ہے۔

جو متأخرین ہیں انہوں نے یہ کہا ہے جب انہوں نے دیکھا ہے کہ زمین اسفیریکل (Spherical) ہے یعنی گول ہے بال کی طرح، اور سورج گھومتا ہے؛ تو ایک اشکال پیدا ہو گیا انہوں نے یہ کہا (ایک اور غلط فہمی شبہ ہے) کہ اللہ تعالیٰ جب رات کے آخری پہر میں نازل ہوتا ہے تو سعودی عرب سے وقت بدل جاتا ہے اور پھر وہ یورپ میں چلا جاتا ہے یورپ کے قریب تو کیا اللہ تعالیٰ ہمیشہ نازل رہتا ہے؟!

یعنی جو رات کے آخری پہر کا وقت ہے وہ ہر ملک میں بدلتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ پھر نازل رہتا ہے کیا؟!

شیخ صاحب فرماتے ہیں: پہلے ہم یہ کہتے ہیں (قاعدہ یاد رکھیں قاعدہ یہ ہے پہلے یہ کہیں) "آمن أولًا بأن الله ينزل في هذا الوقت المعين": سب سے پہلے ایمان لاؤ کہ اللہ تعالیٰ اس خاص وقت معین وقت میں نازل ہوتا ہے، اور جب آپ ایمان لے کر آتے ہیں تو اس کے بعد آپ پر کوئی بات نہیں ہے؛ یہ مت کہو کیسے؟! اور کیسے؟! بلکہ یہ کہو کہ جب رات کا

آخری پہر ہوتا ہے سعودی عرب میں تو اللہ تعالیٰ نازل ہوتا ہے، اور جب امریکہ میں رات کا آخری پہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نازل ہوتا ہے، اور جب فجر کا طلوع ہو جاتا ہے وقت ختم ہو جاتا ہے اور ہر وقت کا اور جگہ کا نزول کا اعتبار اس کے حساب سے ہے، یہ ایمان رکھو۔

تو ہمارا موقف یہ ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں: ہم یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہمیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا ہے ہمیں اُس پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نازل ہوتا ہے دنیاوی آسمان پر جب رات کا آخری پہر باقی رہ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اُس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگتا ہے میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت کی دعا کرتا ہے میں اسے بخش دوں؟

اس حدیث کے جو فوائد ہیں اُن میں سے پہلا فائدہ یہ ہے:

(۱) کہ اللہ تعالیٰ کی صفت علو کا ثبوت ملتا ہے۔ کس لفظ سے؟ ''يَنْزِلُ''۔

''يَنْزِلُ'': میں یعنی علو میں اللہ تعالیٰ ہے تو پھر نازل ہوتا ہے نا، تو ''يَنْزِلُ'' سے دو فائدے ہیں: ایک صفت نزول بھی ثابت ہے، اور صفت علو بھی ثابت ہے، ایک ہی لفظ میں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے جو افعال اختیاریہ ہیں جو صفات فعلیہ ہیں اُن کا ثبوت ملتا ہے اسی ''يَنْزِلُ'' کے لفظ میں کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے نازل ہوتا ہے، اسے کہتے ہیں فعل اختیار، یا صفت فعلیہ بھی کہتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی صفت القول کا ثبوت کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''يَقُولُ'' کے لفظ سے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ منادی کرتا ہے فرماتا ہے: ''مَنْ يَدْعوني ... مَنْ يَسْأَلُني ... مَنْ يَسْتَغْفِرُني...''۔

اور مسلکی اعتبار سے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اس وقت رات کے اس حصے کو غنیمت سمجھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے اور استغفار کرتا رہے، جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے ''مَنْ يَدْعوني ... مَنْ يَسْتَغْفِرُني...'': اور ''مَنْ'' تشویق کے لیے شوق پیدا کرنے کے لیے ہے تو ہمیں اس موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہیے اور اسے غنیمت سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ عمر کا بہت سارا حصہ گزر چکا ہے اور ہمیں صرف وہی ملے گا اس عمر میں سے جو حصہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی طاعت اور

فرمانبرداری میں گزارا ہے،اور وقت گزرتے دن گزرتے پتہ نہیں چلے گا بس جب موت آجائے گی یوں لگتا ہے کہ بس ابھی ابھی میں پیدا ہوا ہوں اور جو کچھ گزر چکا ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے۔

اور یہ حقیقت ہے میرے بھائیو! وقت جو ہے بڑی تیزی سے گزرتا ہے گزر بھی رہا ہے، ہماری عمر جو گزر چکی ہے اگر آپ تھوڑا سا پاسٹ (Past) میں دیکھیں تو کچھ لمحے پتہ چلتا ہے، پچاس سال ساٹھ سال ایسے گزرے ہیں ابھی تو یوں لگتا ہے کہ بس ابھی ابھی ایم بی بی ایس پاس کیا ہے! ابھی جاب ملی ہے، پھر ابھی شادی ہوئی ہے، ابھی بچے ہوئے ہیں! اگر ذرا پاسٹ (Past) میں دیکھیں نا آپ تھوڑا سا وقت کتنی تیزی سے گزر گیا پتہ چلا ہے؟! اور یقیناً موت بھی اتنی ہی تیز آئے گی پتہ بھی نہیں چلے گا!

جب انسان کی موت آتی ہے تو یہ لمحات یوں مختصر کچھ ڈریمز (Dreams) آتے ہیں ایسے لمحات تھوڑے کہ یہ بھی ہو گیا وہ بھی ہو گیا انسان دنیا سے چلا جاتا ہے اور یوں پتہ چلتا ہے لگتا ہے کہ ابھی میں پیدا ہوا ہوں ابھی دنیا سے جارہا ہوں! یہ دنیا کی حقیقت ہے!

تو اس لیے اس میں جتنا بھی ہو سکے اللہ کی فرمانبرداری اور طاعت میں وقت گزاریں اور بہترین وقت رات کے آخری پہر کا جیسے میں عرض کیا ہے اس وقت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (063.العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔